عالمِ اسلام اور پاکستان

(جناب خلیل احمد حامدی)

[اسلامی کانفرنس کے بعد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب عالم اسلام کے ساتھ پاکستان کے رشتے ہر لحاظ سے مستحکم ہو جائیں گے مگر راقم کو اس سطحی فیصلہ سے اختلاف ہے۔ راقم کی نظر میں اس کانفرنس نے مجموعی طور پر جو رخ اختیار کیا ہے وہ خود اس امر کی غمازی کر رہا ہے کہ اس میں پاکستان سے زیادہ بھارت کی خدمت کی گئی ہے۔ چنانچہ ذیل کے مضمون میں پاکستان کے خارجی اثرات کا جو تجزیہ کیا گیا ہے اور بھارت کی کامیاب خارجہ سیاست اور پاکستان کی ناکام پالیسی کی جو مثالیں دی گئی ہیں ان میں ابھی بنیادی تبدیلی کے کوئی آثار نہیں نظر آتے۔ پاکستان کی خارجہ سیاست ایک مزمن مرض میں گرفتار ہے۔ ایک آدھ کانفرنس سے اس کا علاج ممکن نہیں ہے۔ مزمن مرض کا علاج صرف کوئی مسیحا ہی کر سکتا ہے۔ (خلیل حامدی)]

راقم ۱۲ سال سے متواتر عالم اسلام کے مختلف حصوں میں بادیہ پیمائی کر رہا ہے۔ اور آج بارہ سال کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ پاکستان عالم اسلام کے اندر وہ نفوذ اور خیر سگالی کے جذبات پیدا نہیں کر سکا جو وہ بآسانی پیدا کر سکتا تھا۔ اس کی متعدد وجوہ ہیں۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پاکستان نے اسلامی دنیا کے اندر اسلام کی بنیادوں پر کوئی کام نہیں کیا ہے۔ پوری اسلامی دنیا کے اندر اسلام ایک ایسا مضبوط رشتہ ہے جس کی برکت و مضبوطی کے بل پر ہم جاکارتہ سے لے کر الدار البیضاء تک اور انقرہ سے لے کر مقدیشو تک ہر مسلمان شخص کے دل میں گھر کر سکتے تھے اور زندگی کے تمام مسائل میں اسے اپنا یارِ غار بنا سکتے تھے۔ اس مقدس و مستحکم رشتے کو استعمال کرنے کے بجائے ہم نے اسے ہر لحاظ سے کمزور تر کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ آپ اس تمام لٹریچر کا جائزہ لے لیں جو وزارت خارجہ پاکستان کی طرف سے عربی زبان میں تیار کیا جاتا اور سفارت خانوں کے ذریعے مسلم دنیا میں پھیلایا جاتا رہا ہے۔ عربی زبان کا ایک سہ ماہی مجلہ الوعی کے نام سے

پچھلے عرصہ میں حکومت پاکستان کی طرف سے نکلتا رہا ہے۔ مگر اس رسالے نے عرب دنیا کے اندر پاکستان کی جو تصویر پیش کی ہے وہ انتہائی شرمناک ہے۔ اس میں صرف یہ بتایا جاتا رہا ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں کیسی کیسی خوبصورت لڑکیاں پائی جاتی ہیں۔ مختلف حصوں میں عورتیں کیا کیا لباس پہنتی ہیں۔ رقص و سرود کے کیا کیا زاویے اختیار کیے جاتے ہیں۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ پر بے شک بعض مضامین اس میں شائع کیے گئے ہیں مگر ان میں علامہ اقبال کی "اسلامیت" کو ہرگز نمایاں نہیں کیا گیا بلکہ ان کے تجریدی افکار اور فلسفیانہ آراء کو بھونڈے انداز میں پیش کیا گیا۔ البتہ اس امر کا بھی خاص طور پر اہتمام کیا گیا کہ اگر علامہ اقبال یا کسی پاکستانی صوفی یا مفکر پر اگر کوئی مضمون چھاپا گیا تو ساتھ ہی اگلے صفحہ پر کسی سندھی یا پنجابی لڑکی یا کسی بلوچی یا کافرستان کی دوشیزہ کی ابھری ہوئی چھاتی یا بے غبار حسن دکھانے کی بھی پوری کوشش کی گئی۔ کیا عالم اسلام میں ہم پاکستانی دوشیزاؤں کے حسن اور گل اندامی کے ذریعے کوئی پاکیزہ جذبات حاصل کر سکتے ہیں۔ معاملہ اگر چشم غزال اور زلفِ طرح دار اور ساق سیمیں کا ہی ہے تو دنیا کو پاکستان کی طرف نظر اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ دنیا کے لیے بیروت کا حسن دلکش، حلب کی رعنائی، ساحل نیل کے نظارے، استنبول کی شب ظلمات، جلیبوٹی کا حسن سیاہ فام اور انڈونیشی جزیروں کے بیلے رقص زیادہ پرکشش رہیں گے۔ اور پی آئی اے کی ائر ہوسٹسوں کے بجائے لوگوں کی نظریں مڈل ایسٹ ائرویز کی منی اسکرٹ میں ملبوس مضیفات (مہمان نواز لڑکیوں) کو تلاش کریں گی۔

وزارت خارجہ نے اسلام کو اپنے کھاتے سے نہ صرف نکالے رکھا بلکہ اس کی مخالفت کی گئی۔ یہ امر واضح ہے کہ عالم اسلام میں مولانا مودودی ایک عظیم اسلامی مفکر اور عہد حاضر کے ہر دلعزیز مصلح کی حیثیت سے معروف ہیں۔ اس شہرت میں کسی بے بنیاد پروپیگنڈے کو دخل نہیں ہے بلکہ مولانا مودودی کے سلجھے ہوئے افکار، جاذب اسلوب نگارش، صحت مندانہ اسلامی تشریحات اور عظیم قوت کردار نے نئی نسل کو موہ رکھا ہے۔ ان کی کتابیں دنیا کی چوبیس مختلف زبانوں میں منتقل ہو چکی ہیں۔ صرف عربی زبان میں ۵۰ سے زائد ان کی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ اسی طرح ترکی زبان میں بھی بیس تک ان کی اہم کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ مسلم دنیا کی دوسری زبانوں مثلاً انڈونیشی، ملائشی، فارسی بلکہ ہوسا (شمالی نائجیریا کے مسلمانوں کی زبان) تک میں ترجمہ کی تحریک تیزی کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ مذہبی اداروں اور جدید یونیورسٹیوں میں ان کی بعض کتابیں شامل نصاب ہیں۔ ان سب اسباب کی بنا پر مولانا مودودی اسلام پسند عناصر کے قائد اور رہنما کی حیثیت سے مسلم دنیا میں غیر معمولی مقام حاصل کر چکے ہیں۔ مگر پاکستان کی وزارت خارجہ کا ماضی اس لحاظ سے نہایت افسوسناک

ہے کہ اس نے ایک پاکستانی مفکر کی بین الاقوامی مقبولیت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کے خلاف محاذ آرائی کیے رکھی۔ ایوب خان کے دور میں ایسا عربی لٹریچر پاکستان سفارت خانوں کے ذریعہ عرب اور مسلم ممالک میں پھیلایا جاتا رہا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مولانا مودودی ایک "گمراہ شخصیت" کا نام ہے۔ یہ ایک ایسا سفید جھوٹ تھا جو ہر شخص پر اظہر من الشمس تھا۔ اس جھوٹ سے مولانا مودودی کی ذات کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ البتہ حکومت پاکستان پر نفرین کے الفاظ ضرور کہے گئے۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۶۶ء میں جب مولانا محترم اور راقم حج پر گئے تو وہ صاحب جو پاکستان کی وزارت خارجہ کی طرف سے عربی لٹریچر تیار کیا کرتے تھے شبرا ہوٹل میں مولانا مودودی سے ملنے آئے اور انہوں نے مولانا محترم سے معافی مانگتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا کہ ہم مولانا کی طرف صاف صاف جھوٹی باتیں گھڑ کر منسوب کرتے ہیں اور ہزاروں روپے خرچ کر کے انہیں مسلم دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ وہ صاحب اس وقت ابھی ملازمت پر تھے۔ اب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اور بیروت میں مقیم ہیں۔ ان کے نام سے اگر عام قارئین ناواقف ہیں تو وزارت خارجہ اور وزارت اطلاعات اس سے ناواقف نہیں ہے۔ ایک مرتبہ میں رابطہ عالم اسلامی کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل شیخ صالح قزاز (جو اب سیکرٹری جنرل ہیں) کے دفتر میں بیٹھا تھا۔ ڈاک میں ان کے پاس ایک پیکٹ آیا جس میں ایک عربی کا پمفلٹ تھا۔ اس کا نام تھا: "مودودی دین کا بھیس بدل کر دین کی بیخ کنی کر رہا ہے" یہ پمفلٹ پاکستانی سفارت خانہ (جدہ) کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ شیخ صالح نے اسے دیکھتے ہی فوراً میرے سامنے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ ایسی تمام کتابوں اور تحریروں کا حشر ہر جگہ یہی ہوتا رہا۔ مدعائے گزارش یہ ہے کہ حکومت پاکستان نے مسلم دنیا میں نہ خود اسلام کو کام کی بنیاد بنایا اور نہ کسی دوسری کوشش کی حوصلہ افزائی کی۔ اور نتیجۃً پاکستان اور عالم اسلام کے درمیان اسلام کا رشتہ کمزور ہوتا چلا گیا۔

موجودہ دنیا کے اندر باہمی تعلقات اور رشتوں کی دوسری بڑی بنیاد اقتصادی مفادات کا تبادلہ ہے۔ اقتصادی مفادات ایک ایسا موثر محرک ہے کہ قوموں اور ملکوں کے تمام سیاسی اور ثقافتی رشتے اسی محرک کی گرفت میں رہتے ہیں۔ جہاں اقتصادی تعلقات مضبوط ہوں گے وہاں سیاسی اور ثقافتی محبت بھی پیدا ہو جائے گی، اور اقتصادی تعلقات کی کمزوری سیاسی رفاقت اور ثقافتی ہم آہنگی کو اگر ختم نہ کر دے گی تو بے اثر ضرور کر دے گی۔ پاکستان نے پورے پچھلے دور میں اس میدان میں بھی مار کھائی ہے۔ یہ میدان پاکستان کے لیے اس لحاظ سے بھی اہم اور نازک تھا کہ پاکستان کا طاقتور حریف بھارت ہر جگہ

پاکستان کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اور پاکستان کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ بلکہ وہ اپنی ڈپلومیسی کے ذریعے سے یہ کوشش کر رہا تھا کہ پاکستان اس معاملے میں لازماً غلطی در غلطی کرتا چلا جائے۔ چنانچہ وہ کامیاب رہا اور پاکستان چت گر گیا۔

اب کہا جا رہا ہے کہ پاکستان عرب ممالک اور بالخصوص خلیج کی ریاستوں کے ساتھ تجارتی اور اقتصادی ناطے بحال کر رہا ہے۔ مگر راقم کے اس یقین میں ابھی تک کوئی تزلزل نہیں آیا کہ پاکستان عرب ممالک میں اپنی تجارتی ساکھ کو تا ہنوز زندہ نہیں کر سکا ہے۔ ۲۵ سال میں پاکستان اور پاکستان کے تاجروں نے جو غلط فہمیاں عرب مارکیٹ کے اندر راسخ کی ہیں وہ کیونکر ایک سال کے اندر اندر رفع ہو سکتی ہیں۔ عرب تاجروں کے اندر اب یہ بات بہت گہری نقش ہو چکی ہے کہ پاکستانی تاجر ٹھگ اور "غشّاش" (دھوکے باز) ہوتا ہے۔ میں ایک مرتبہ کویت کے نامور تاجر علی عبدالوھاب کے دفتر میں بیٹھا تھا۔ اتنے میں ان کے پاس پاکستانی سفارت خانے کی طرف سے فون آیا کہ پاکستانی تاجروں کا ایک وفد کویت کا دورہ کر رہا ہے۔ آج رات پاکستانی سفارت خانہ ان کے اعزاز میں عشائیہ دے رہا ہے۔ لہٰذا آپ بھی اس عشائیہ میں شریک ہوں اور پاکستانی تاجروں سے تعارف اور تبادلہ خیال کریں۔ علی عبدالوہاب کی فرم کے انچارج نے جو ہمارے گہرے دوست ہیں، مجھے مسکراتے ہوئے یہ "مژدہ جانفزا" سنایا میں بھی بڑا مسرور ہوا۔ اور انہیں تاکید کی کہ نہ صرف..... آپ لازماً اس عشائیہ میں شریک ہوں بلکہ پاکستانی تجار کے ساتھ تجارتی معاملات کا آغاز کر دیں اور پاکستان سے درآمد شروع کر دیں۔ میں نے روا روی میں انہیں بتایا کہ آپ کو ماربل کی ضرورت ہوتی ہے، پاکستان میں ماربل آپ کو بافراط اور اعلیٰ نوعیت کا مل جائے گا۔ اسی طرح میں نے چمڑے کی مصنوعات، قالین، کھیلوں کے سامان اور سرجری کے اوزار تک ایک ہی سانس میں پڑھ کر سنا دیے جنہیں وہ کویت منگوا سکتے تھے۔ موصوف مسکرا کر خاموش ہو گئے اور پھر بولے میں پاکستان سے ہرگز کوئی سامان نہ منگواؤں گا۔ جن کویتی تجار نے یہ تجربہ کیا ہے وہ ہم سب کے لیے بہت بڑا سبق آموز ہے۔ آدھ گھنٹے کے بعد اسی دفتر میں دو پست قد جاپانی چھوکرے آ گھسے۔ ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے اٹیچی کیس تھے۔ ہمارے دوست ان کے استقبال کے لیے اٹھے اور ان کے اٹیچی کیس کھلوا کر کیٹلاگ دیکھنے لگے۔ اور بہت سی چیزوں کا آناً فاناً آرڈر بک کرا دیا۔ وہ جب ان سے فارغ ہوئے تو میں نے دریافت کیا کہ کیا یہ چھوکرے "قابلِ اعتماد ہیں۔ وہ فوراً بولے واللہ یہ قابلِ اعتماد ہیں۔ اور اس حد تک مجھے ان پر اعتماد ہے کہ یہ جو مال سپلائی کریں گے سو فیصد صحیح ہو گا۔ یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔ پاکستانی تاجر کے زوال اور جاپانی تاجر کی ساکھ مجھے شدید ذہنی خلفشار میں دوچار کر گئی۔ اور بھارت

اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ سورن سنگھ نے حال ہی میں کویت کے ساتھ جو طویل المیعاد تجارتی معاہدہ کیا ہے وہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔

سعودی عرب میں جائیے۔ اور وہاں کے تاجروں سے پاکستانی مصنوعات کی بات سنیے۔ آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور بھارت کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ جدہ کے شارع عبدالعزیز پر ایک ترکستانی کی دکان ہے اس کا نام ہے محسن بخاری۔ اس دکان دار نے ایک مرتبہ ہماری ترغیب سے پاکستان سے احرام کے تولیے منگوا لیے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن یہ دکاندار پاکستانی تاجروں کی جان کو رو رہا ہے۔ اور ہماری بار بار کی ترغیب سے اس کے اندر دوبارہ کچھ آمادگی پیدا ہوتی ہے تو دو قدم آگے بڑھ کر پھر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ پاکستان کے جوتے اور خصوصاً زری کے زنانہ جوتے سعودی عرب میں خوب چل سکتے ہیں۔ مگر چلانے والے خود حسن نیت سے عاری ہیں۔ ریاض میں جب پاکستان کا قلمی آم پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے کام و دہن کی خوب تواضع کی اور پاکستان کو دعائیں دیں۔ مگر جب آموں کی آخری پیٹیاں وہاں پہنچ گئیں تو ان لوگوں کی مدح قلدح میں بدل چکی تھی۔ چمڑے کا سامان سعودی عرب میں برطانیہ سے آرہا ہے۔ مگر وہ بہت مہنگا ہے اس کے مقابلے میں پاکستان کے بنے ہوئے چرمی سوٹ کیس۔ اٹیچی کیس، اور بریف کیس ان کے لیے سستے رہتے ہیں اور مارکیٹ پر اپنا رنگ جما سکتے ہیں۔ کھیلوں کا سامان بھی اسی مقبولیت سے بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پاکستانی تاجروں کے دل میں امانتداری اور عربوں کے دل میں اعتماد کی بحالی کی ضمانت کون دے۔

پاکستان کا ہر فرد کسی نہ کسی وجہ سے لیبیا سے وابستہ ہو چکا ہے۔ کچھ لوگ لیبیا میں ملازمت کے لیے جا چکے ہیں۔ ان کے بچے اور رشتہ دار لیبیا کے نام سے واقف ہو چکے ہیں اور ایک حلقہ لیبیا کے صدر قذافی کا گرویدہ ہے۔ مگر کیا آپ جانتے ہیں کہ لیبیا میں پاکستانی صنعت کا نہ تعارف ہے اور نہ مانگ۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ اس سے ہمیں سروکار نہیں ہے۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ لیبیا میں بھارت کے تولیے پسند کیے جا رہے ہیں، بھارت کی دوائیں لیبیا کی بیماریوں کے خاتمے میں حصہ لے رہی ہے اور اب لیبیا کے اندر بھارت ایک ٹیکسٹائل مل لگا رہا ہے۔ بھارت نے لیبیا کی انقلابی کونسل کے کچھ ارکان سے محبت کی پینگیں بڑھا رکھی ہیں اور ان کی مدد سے وہ کیکڑے کی طرح اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا رہا ہے۔ اور اب بھارت نے حکومت لیبیا سے یہ منظوری حاصل کر لی ہے کہ بھارت کا بحری جہاز لیبیا کی بندرگاہ طرابلس پر سامان سے کر لنگر انداز ہوا کرے گا۔ بھارتی اثرات کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بھارت کے پاس عربوں کو موہ لینے اور عرب تاجروں کو رام کرنے کے لیے ایسی گیدڑ سنگی ہے جو پاکستان کے پاس نہیں ہے۔ پاکستان

اثرات کی وجہ یہ ہے کہ بھارت کے مختلف ادارے اپنے اثرات کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے لیے شب و روز محنت کرتے ہیں۔ لیبیا میں بھارتی سفیر ایک پارسی ہے۔ اس کی بیوی ہر ہفتے لیبیا کے مختلف ہسپتالوں کا دورہ کرتی ہے اور مریض خواتین خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب ان کی تیمارداری کرتی ہے۔ نیز بھارتی سفارت خانے کا کمرشل اتاشی ایک نہایت ہوشیار اور شاطر انسان ہے۔ وہ اپنے ہاں کے تاجروں کو لیبیا کے تاجروں کے نام اور پتے بھیجتا رہتا ہے اور انہیں توجہ دلاتا رہتا ہے کہ وہاں تاجروں کو فلاں فلاں اشیاء کی پیشکش کریں، نیز وہ مختلف اشیاء کی بین الاقوامی قیمتوں اور لیبیا میں ان اشیاء کی مناسب قیمتوں کے تخمینے بھی انہیں بھیجتا رہتا ہے۔ یہ وہ گیدڑ سنگی ہے جو فی الواقع پاکستان کے پاس نہیں ہے۔ لیبیا میں پاکستانی سفارت خانے کی کارکردگی سے ہم بخوبی آگاہ ہیں۔ خود عبدالحفیظ پیرزادہ صاحب کو پاکستانی سفارت خانے کے خدوخال کا پورا علم ہے۔ پچھلے سال جب پیرزادہ صاحب بن غازی میں ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے تو ان کے سامنے پاکستانیوں نے لیبیا میں پاکستانی سفیر کو گریبان سے پکڑ لیا اور ان سے یہ سوال کیا کہ اس کانفرنس میں جہاں تمام مسلم ممالک کے جھنڈے لہرا رہے ہیں وہاں پاکستان کا جھنڈا کیوں نہیں لہرا رہا ہے۔ یہ ایک معمولی سی بات ہے تو کیا تجارتی معاملات میں اس سے بڑھ کر کوتاہی نہ ہوتی ہوگی۔

کچھ شکایات ہمیں لیبیا کے لوگوں سے بھی ہیں۔ مثلاً لیبیا میں جو پاکستانی نرسیں ملازمت کر رہی ہیں ان سے نہ صرف نرسنگ کی خدمات لی جاتی ہیں بلکہ انہیں ہسپتال کے فرش دھونے اور کھڑکیوں کو صاف کرنے کی خدمت بھی لی جاتی ہے۔ دورہ لیبیا کے موقع پر ایک پاکستانی نرس نے اپنی یہ دردبھری داستان ہمیں سنائی اور جب ہم نے یہ کہا کہ پاکستانی سفارت خانے کو توجہ دلانی چاہیے کہ وہ متعلقہ وزارت کو آگاہ کرے کہ نرس نرسنگ کے لیے ہے نہ کہ خاکروبی کے لیے تو اس بیچاری نے کہا کہ پاکستانی سفارت خانہ یہ جواب دیتا ہے کہ "تمہیں کس نے کہا تھا کہ یہاں آؤ"۔ بھارت کے کسی باشندے کو اگر وہاں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ اونچی سے اونچی سطح پر اس کے ازالے کی کوشش کرتا ہے۔ سعودی عرب، کویت اور امارات خلیج کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ عربوں کے اندر بھی قوم پرستوں، مصر نوازوں اور اشتراکیوں کا ایک ایسا گروہ موجود ہے جو اپنے سامنے پاکستانیوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ مگر اپنوں کا تغافل انتہائی قابل افسوس ہے۔ عربوں کے اچھے لوگوں کو ہم اپنے اعتماد میں لے کر اپنے نفوذ کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔ پچھلے سال حج کے موقع پر بھارت کا جیسور نامی جنگی جہاز ایام حج میں خیرسگالی کے دورہ پر جدہ آکر لنگر انداز ہوا تھا۔ اس جہاز کا نوٹس پاکستانی سفارت خانے نے نہیں لیا بلکہ ایک عرب

اخبار نویس نے لیا اور اس نے اپنی وزارت اطلاعات کے ذریعہ اپنی حکومت کو یہ شکایت کی کہ یہ وہی جہاز ہے جس کے بارے میں بھارتی سفیر یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ اس نے ۱۹۷۱ء کی جنگ میں کراچی پر کامیاب بمباری کی ہے اور اب کیا اس جہاز کو اس پروپیگنڈے سمیت جدہ میں اس لیے لنگر انداز ہونے کی اجازت دے دی گئی ہے کہ یہ پاکستانی حجاج کی چھاتیوں پر مقدس سرزمین میں مونگ دلے۔

امارات خلیج کے بارے میں ہماری یہ شروع سے رائے ہے کہ یہ امارات پاکستان کے لیے مغربی فصیل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت مسلسل اس فصیل کو سند مارب کے چوہے کی طرح کھوکھلا کر رہا ہے۔ امارات خلیج میں جہاں پاکستانی باشندوں کی بہت بڑی تعداد ملازمت یا کاروبار کے سلسلے میں رہتی ہے وہاں ہندوستان کے باشندے بھی کثیر تعداد میں رہتے ہیں۔ بلکہ بعض جگہوں پر تو ہندوؤں نے اپنی گرفت کئی لحاظ سے مضبوط کر رکھی ہے۔ مثلاً دبئی میں سونے کا تمام کاروبار ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اور ایک مدت تک وہاں کسی پاکستانی زرگر کے قدم نہیں جمنے پائے۔ ان پاکستانی باشندوں کو کاروبار تجارت اور ملازمت کے میدان میں پاکستانی سفارت خانوں کی طرف سے کوئی سایہ فراہم نہیں ہوتا جبکہ بھارتی نمائندے وہاں جگہ جگہ بھارتی باشندوں کے سر پر چھتری تانے کھڑے رہتے ہیں۔ سورن سنگھ کے دوروں نے اب حالات کو اور خراب کر دیا ہے۔ اس نے امارات کے حکمرانوں کے کان میں یہ بات ڈال دی ہے کہ پاکستانی لیبر جو تنخواہیں لے گی بھارتی لیبر اس سے نصف تنخواہ پر یہاں کام کرنے کو تیار ہے۔ سورن سنگھ کی یہ بات بہت بڑی عیاری پر مبنی ہے۔ پاکستانی وزیر خارجہ نے بھی خلیج کے دورے کیے ہیں مگر ان کے دورے سورن سنگھ کی شرارتوں کا سدِّ باب نہیں کر سکے ہیں۔ کیونکہ امارات کے اندر جو تعمیری منصوبے جاری ہیں ان میں بھارتی کمپنیاں دخل اندازی کر رہی ہیں۔ ہم قطر کے حکمران شیخ خلیفہ کے دفتر میں بیٹھے تھے قطر کی فوج کے ایک بہت بڑے افسر شیخ عطیہ بھی وہاں آگئے وہ کچھ اور موجود لوگوں کے ساتھ افغانستان سے مال خریدنے کے صلاح مشورے کرنے لگے وہ مال ایسا تھا کہ پاکستان سے بھی برآمد کیا جا سکتا ہے۔ راقم نے بے تکلف ماحول دیکھ کر شیخ عطیہ سے کہا یہ مال آپ پاکستان سے منگوا سکتے ہیں۔ اور پاکستان کا بحری راستہ آپ کے لیے افغانستان سے قریب تر ہے۔ شیخ عطیہ جو خاصے فہیم اور ذکی نظر آتے تھے فوراً اچنبے کے ساتھ کہنے لگے کہ کیا فی الواقع پاکستان میں یہ مال پایا جاتا ہے؟ راقم نے انہیں بھرپور یقین دلایا کہ یہ مال آپ کو پاکستان سے مل سکتا ہے۔ چنانچہ ان کے سوچنے کا انداز بالکل بدل گیا۔ یہ دراصل سفراء اور وزارت خارجہ کے ملازموں کا کام ہوتا ہے کہ وہ بیرونی ملکوں کی نامور شخصیتوں کے گرد گھیرا ڈالے رکھیں اور ان کے سوچنے کے انداز پر اثر انداز

ہوتے رہیں۔

اب پروپیگنڈے کے میدان کا جائزہ لیجیے تو یہ ایسا میدان ہے کہ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ حکومت پاکستان نے اب تک پاکستان کا تعارف کرانے کے بجائے بیرونی دنیا میں پاکستان کے نام نہاد کلچر کا تعارف کرایا ہے۔ یہ بتایا کہ پاکستان کے لوک گیت کیا ہیں اور لوک ناچ کیسا ہے۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ پاکستان کی آئیڈیالوجی کیا ہے۔ جن لوگوں نے نظریہ پاکستان کے لیے بیرون ملک کچھ کام کیا ہے حکومت پاکستان نے انہیں اشیرباد دینے کے بجائے ان پر اخلاقی حملے کیے ہیں۔ پروپیگنڈے کے میدان میں وزارت خارجہ پاکستان کا صرف "یہ عظیم" کارنامہ سامنے آتا ہے کہ اس نے مصر کے نامور مرحوم اہل قلم عباس محمود العقاد سے قائداعظم محمد علی جناح مرحوم پر ایک کتابچہ لکھوایا ہے۔ اس کتابچے کے اندر بھی مرحوم کو ایک نہایت تجریدی قائد کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ اس میں عقاد مرحوم کا کوئی قصور نہیں ہے۔ عقاد نے تو رنگ آمیزی کرنے کی بہت کوشش کی ہے۔ یہ قصور دراصل مواد فراہم کرنے والوں کا ہے۔ غالباً یہ مواد فراہم کرنے والا وہ سفیر تھا جس کا ایک بھائی بھارت کی طرف سے سفارت یا کوئی اور ڈپلومیٹک خدمت سرانجام دیتا تھا۔ وزارت خارجہ کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اقبال پر عبدالوہاب عزام کی ایک کتاب شائع کر کے پاکستانی سفارت خانوں میں رکھ رکھی ہے۔ عبدالوہاب عزام اقبال کے شیدائی تھے۔ انہوں نے پیام مشرق اور ضربِ کلیم کو عربی اشعار میں منتقل کیا اور اقبال پر متعدد مضامین تحریر کیے۔ اقبال کی سوانح حیات پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا اور قابل ستائش مجموعہ تیار کر دیا۔ اس مجموعے کو کچھ عرصے سے پاکستانی سفارت خانوں کے ذریعہ تقسیم کرنے کے لیے چھپوایا گیا ہے۔ مگر یہ تقسیم ہوتا نظر نہیں آیا۔ رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کے ایک کارکن کی طرف سے حال ہی میں راقم کو ایک خط موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے عربی زبان میں اقبال پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عربی مکتبوں میں اقبال کی سوانح پر کوئی کتاب انہیں دستیاب نہیں ہوئی۔ گویا عربی مکتبے کیا خود رابطہ عالم اسلامی کا دفتر بھی عبدالوہاب عزام کی تالیف "اقبال" سے خالی ہے۔ اقبال کا ایک کتابچہ شکوہ اور جواب شکوہ عربی نظم میں ترجمہ ہوا ہے۔ مترجم مصر کا ایک نابینا شاعر شیخ صاوی شعلان ہے۔ پاکستانی حکومت نے اس کی خدمات حاصل کیں اور اس سے اس کتابچے کا ترجمہ کروایا یہ ایک بہت اچھا کام ہے۔ مگر ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس کام کا اصل سہرا کس کے سر ہے اور کیسے کیسے ملحد اور تجدد مذہب کے علمبرداروں نے اس کی مخالفت کی۔ مصر کی نامور مغنّیہ اُم کلثوم نے شکوے کے کچھ اشعار اپنے گیت میں پڑھے ہیں۔ عرب نوجوان ان اشعار اور اس مغنّیہ کے ترنم

سے خاصا متاثر ہوا ہے۔ تحریک پاکستان کے دوسرے رہنماؤں، شعراء اور اہل قلم اور کارکنوں سے عالم اسلام قطعًا ناواقف ہے۔ محمد علی جوہر مرحوم کو ایک حلقہ جانتا ہے۔ اس لیے کہ ان کی قبر بیت المقدس میں ہے۔

بھارت کے پروپیگنڈے کا نظام بڑا متحرک، سائنٹیفک اور متلون ہے۔ پروپیگنڈے کی یہ تعریف نہیں ہے کہ بات کہہ دی جائے۔ بلکہ یہ تعریف ہے کہ بات دلنشین کر دی جائے۔ اس تعریف کی رو سے ہم پسماندہ اور بھارت پیشرو ہے۔ بھارت کا پروپیگنڈا دو اصولوں پر مبنی ہے۔ ایک منفی اصول جس کا خلاصہ یہ ثابت کرنا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم ایک غلط اقدام تھا۔ اور یہ تقسیم استعماری سازش کے نتیجے میں بروئے کار آئی ہے۔ دوسرا مثبت اصول جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایشیا اور علی الخصوص جنوب مشرقی ایشیا کی اصل طاقت بھارت ہے اور بھارت ایک جمہوری ملک ہے اس لیے بھارت ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جنوب مشرقی ایشیا میں بسنے والی انسانیت کی خدمت اور قیادت کی ذمہ داری ادا کرے۔ ان دونوں اصولوں کو ذہنوں میں جاگزیں کرنے کے لیے بھارت بے پناہ لٹریچر مشرق اوسط میں پھیلا رہا ہے۔ اس نے دنیائے عرب کے اعلیٰ درجہ کے ادباء، علماء اور مترجمین کو مٹھی میں لے رکھا ہے اور بڑے حکیمانہ انداز سے ان کے منہ سے وہ بات کہلوا رہا ہے جو اگر وہ اپنے منہ سے کہے تو اس کا دلوں پر کوئی اثر نہ ہو۔ آپ قاہرہ، بیروت، جدہ، کویت اور طرابلس کے مکتبوں کی سیر کریں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ٹیگور سے لے کر گاندھی اور نہرو تک۔ گیتا سے لے کر تلاش ہند تک اور بنارس کے مندروں سے لے کر دلی کی جامع مسجد تک کس قدر معلومات افزا کتابیں شوروموں کی زینت بن رہی ہوں گی۔

ہم نے طرابلس (لیبیا) کے ایک مکتبے میں گیتا پڑی دیکھی تو انگشت بدنداں رہ گئے۔ بیروت کی تو دنیا ہی اور ہے۔ بیروت میں بھارت کا پروپیگنڈا ملے گا، اسرائیل کی سازش گاہیں ملیں گی اور اشتراکیت اور قومیت پر لٹریچر کے انبار ملیں گے۔ مگر پاکستان پر کچھ نظر نہ آئے گا۔ ہاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تصانیف کے عربی ترجمے وہاں بافراط ملیں گے۔ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کی ایک کتاب "تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند" (ہندوستان میں اسلامی دعوت کی تاریخ) ملے گی۔ اسلام پر مولانا ابوالحسن علی ندوی کی جانفزا تحریریں ملیں گی۔ مگر میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ پاکستان پر کچھ نہ ملے گا۔ تاریخ پاکستان، نظریہ پاکستان، زعمائے پاکستان، پاکستانی ادب، پاکستانی معاشرت کے بارے میں اگر کوئی عرب محقق مواد حاصل کرنا چاہے تو عرب مکتبے بھی نفی میں سر ہلا دیں گے۔ اور پاکستانی سفارت خانے بھی ایک غیر شیریں تبسم کے سوا کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔

حیرت ہے کہ پاکستان کا اب تک کوئی جغرافیہ بھی نہیں چھاپا گیا ہے اور نہ عربی میں کوئی پاکستان کا جغرافیائی اور طبعی نقشہ ملتا ہے۔ یہ سب کام کرنے کے لیے اہل دل اور اہل قلم موجود ہیں۔ مگر ان کا کوئی قدردان نہیں ہے۔ بیروت یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ڈاکٹر احسان حقی کو راقم عرصہ سے جانتا ہے۔ انہوں نے عربی زبان میں ایک کتاب تحریر کی ہے جس کا نام انہوں نے رکھا "کشمیر المسلمۃ" (مسلمان کشمیر) اس کتاب کی اشاعت کے بعد ان کے پاس بیروت کے بھارتی سفارت خانے کا ایک نوجوان جس کا نام مبارک احمد ہے اور جو مذہبًا قادیانی ہے آیا اور اس نے ڈاکٹر صاحب کو شکایت کی کہ انہوں نے اس تالیف میں بھارت کے بارے میں نامناسب خیالات اور غلط نظریات کا اظہار کیا ہے۔ اس نے ڈاکٹر صاحب کو پیشکش کی بلکہ اصرار کیا کہ وہ سفارت خانے کے خرچ پر کشمیر کی سیر کریں اور جموں اور دیگر وادیاں دیکھیں تاکہ انہیں کشمیر کے جنت نظیر خطہ کو دیکھنے کا موقع ملے اور کشمیری مسلمانوں کی آزادی اور خوشحالی سے بھی آگاہ ہو سکیں۔ راقم کو ڈاکٹر حقی نے بتایا کہ وہ نوجوان مسلسل ان سے ملاقاتیں کرتا رہتا ہے اور اگر ڈاکٹر صاحب کے اندر پاکستان کی بے پناہ محبت موجزن نہ ہوتی تو دوسرے عرب اسکالرز کی طرح وہ بھی بھارتی حکمت عملی کا شکار ہو جاتے۔

غرض یہ کہہ رہا تھا کہ پاکستان کی وزارت خارجہ شروع سے پاکستان کے حق میں موثر پروپیگنڈا کرنے سے قاصر رہی ہے اور اس کا یہ قصور تا ہنوز دور نہیں ہوا۔ لبنان کے مفتی شیخ خالد حسن ایک مرنجان مرنج آدمی ہیں۔ مگر ہم جب بھی ان سے ملتے ہیں وہ یہی شکوہ کرتے ہیں کہ ایک طرف بھارتی سفیر وقتاً فوقتاً ان کے دارالفتوی میں آ کر ان سے ملتا رہتا ہے اور بڑے احترام کے ساتھ ان کو ہندوستان کے "سنہری کارناموں" سے متعارف کراتا رہتا ہے اور سفارت خانے کی تقریبات میں انہیں مدعو کرتا رہتا ہے اور دوسری طرف پاکستانی سفارت خانہ انہیں درخور اعتنا نہیں سمجھتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحب جب کوئی پاکستان کے حق میں بیان دیتے ہیں تو اس کے چند روز بعد پاکستانی سفارت خانے کے ایک ملازم صلاح الدین خورشید صاحب (جو اب ریٹائرڈ ہو گئے ہیں) مفتی صاحب کا زبانی شکریہ ادا کر آتے ہیں۔ اور بس۔ میری گزارش یہ ہے کہ حکومت پاکستان بیروت کی اہمیت کو سمجھے۔ بیروت عرب ممالک کا دماغ ہے۔ تمام عرب ممالک میں بیروت کی علمی و ثقافتی تحریکیں اپنے اثرات ڈالتی ہیں۔ بیروت میں ایک مخلص اور پاکستان دوست اسلامی تحریک بھی موجود ہے۔ اس کا نام الجماعۃ الاسلامیہ ہے۔ اس کے سربراہ کا نام شیخ فیصل مولوی ہے۔ یہ تحریک صرف اسلامی رشتے اور اسلامی اخوت کے جذبے سے پاکستان کی غلام بے دام ہے۔ اس جماعت کے لوگوں کو بھی پاکستان کے مقاصد